شمارہ نمبر ۳۸

آوازِ خلق

People's Voice is Published by **Naseem Ahmad Bajwa,** from London, on behalf of Movement for Radical Reforms and People's Participation in Pakistan and distributed free all over the World

اداریہ

کھول آنکھ۔زمیں دیکھ۔فلک دیکھ۔فضا دیکھ

اقبال نے ہندوستانی مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہیں یہ مشورہ سوسال پہلے دیا تھا۔اُسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ مارچ ۲۰۲۶ء میں جب پاکستان کے پڑوسی ملک ایران پر امریکہ اوراسرائیل کے جارحانہ حملہ سے قیامت ٹوٹ پڑے گی تو پاکستان کے پڑھے لکھے۔باشعور،باخبر افراد(خصوصاًوُکلا،اساتذہ،صحافی اوردانشور)اپنی آنکھیں بند کرلیں گے۔وہ نہ صرف اندھے بلکہ گونگے اور بہرے بن جائیں گے۔اُنہیں اپنے پڑوس میں بھڑکتی ہوئی آگ کا الاؤ نظر نہ آئے گا۔وہ امریکہ اوراسرائیل کی جارحیت کے خلاف ہرگز احتجاج نہ کریں گے۔اس کی دَبی زبان میں بھی مذمت نہیں کریں گے۔یہ صرف افسوس کا نہیں۔شرم کا مقام ہے۔غالباً اقبال نے جب یہ کہا تھا کہ مسلمان راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں تو یہ پیش گوئی تھی۔سوسال بعد پاکستان میں زندہ (گرچہ مردہ ضمیر) تعلیم یافتہ افراد کے بارے میں پیش گوئی۔آوازخلق کے مدیر کو اپنی بے بسی پر رونا آتا ہے۔وہ کیا لکھے اور کس طرح لکھے کہ ابدی نیند سوئی ہوئی قوم جاگ اُٹھے۔آنکھیں کھولے۔ایران پر توڑے گئے ناقابل تصور مظالم کا جائزہ لے۔جارحیت کی بھرپور مذمت کرے۔زبردست احتجاج کرے۔یہ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جن لوگوں نے غزہ میں فلسطین پر ڈھائی جانے والے قیامت (مکمل تباہی و بربادی) پر اُف تک نہ کی۔نہ کوئی احتجاج کیا اور نہ مذّمت۔وہ اب جاگیں تو کیونکر؟ چین اور ترکی کی طرح ایران ہمارا صرف ہمسایہ ملک نہیں۔ہمارا بہترین دوست ہے۔ہمارا پیارا بھائی ہے۔اہل ایران نے ایک ماہ سے زائد عرصہ بدترین بمباری کا جس بہادری سے مقابلہ کیا ہے۔وہ ہمارے لئے باعث صدفخر ہے۔ہم اُن کی جنگ میں فتح کے لئے دُعا گو ہیں۔

اب ہم آپ کی توجہ دواُبھری ہوئی متحرک۔زندہ وتابندہ انجمنوں کی طرف دلانا چاہتے ہیں۔ایک کا نام ہے برٹس پاکستانی وُکلا فورم (جو پاکستان میں جیلوں میں قیدیوں کی حالت زار کی بہتری اور آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کے لئے کوشاں ہے)۔دُوسری کا نام ہے قومی مجلس مشاورت جو پاکستان میں عوام دوستوں کا واحد متحدہ محاذ ہے۔کئی سالوں سے یہ دونوں انجمنوں کے لاہور میں باقاعدگی سے اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔قومی مسائل کا قابل عمل اور ٹھوس حل ڈھونڈنے اور تجویز کرنے والے افراد کا فرض ہے کہ وہ صرف (دل ہی دل) میں کڑھنے کی بجائے ہر ماہ چند گھنٹے نکال کر مذکورہ بالا دونوں انجمنوں کے رُکن بنیں۔ان کے اجلاس میں شریک ہوکر اپنا کردار ادا کریں۔آپ کی شرکت ان انجمنوں کی کارکردگی بہت بہتر بنادے گی۔آپ سے اپیل کی جاتی ہے کہ آپ آوازخلق میں اپنی آواز ملائیں۔تمام عوام دوست افراد مل جائیں تو وہ ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔جورائے عامہ کو متاثر کرکے ہمارے ملک کے اندر وہ انقلابی اصلاحات لاسکتی ہے جو اندھیرے کو روشنی میں بدل دے گی۔

مدیر:
نسیم احمد باجوہ
(ایم۔اے،ایل ایل ایم،بارایٹ لاء)

آوازِ خلق
وُکلا۔اساتذہ۔صحافیوں۔عوام دوست سیاسی/سماجی کارکنوں اور محنت کشوں کا متحدہ محاذ جو ۴۰ برس سے برطانیہ اور پاکستان میں چہروں کی بجائے نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ہم آپ کے تعاون اور اشتراکِ عمل کے طلبگار ہیں۔آپ آوازخلق میں اپنی آواز ملائیں۔

کوئی تو موجیں مار رہا ہے

آصف عفان

عادتیں نسلوں کا پتا دیتی ہیں تو فیصلے نیت اور ارادوں کے بھید کھول ڈالتے ہیں۔ وزیر، مشیر جن اصلاحات کا ڈھول بجاتے اور کریڈٹ لیتے نہیں تھکتے، ان سبھی کی جمع تفریق کریں تو بگاڑ کے انبار نکلتے ہیں۔ نمائشی اقدامات سے لے کر گمراہ کن اعداد و شمار سمیت نجانے کیسی بدعتیں گورننس اور کارکردگی کے نام پر برسوں اور نسلوں سے جاری ہیں۔ گورے حکمرانوں کے دیے ہوئے انفراسٹرکچر سے جہاں ہم مستفید ہو رہے ہیں وہاں ان کے چھوڑے ہوئے غلامانہ قانون اور ضابطے بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ لاء اینڈ آرڈر دادرسی کے بجائے معیشت بن جائے تو انصاف کا خدا ہی حافظ ہے۔ چھوٹے گریڈ والوں کو بڑے عہدوں پر بٹھانے کی بدعت کئی دہائیوں پرانی ہے، چاپلوس اور خوشامدی افسران کو ان کی اہلیت سے بڑے ٹاسک دے کر گورننس کے ایسے ایسے روپ بہروپ متعارف کرائے گئے کہ جن کے انڈے بچے آج بھی ملک کے طول و عرض میں جا بجا اُدھم مچائے ہوئے ہیں۔

پولیس آرڈر کے بعد پولیس کا آرڈر تو قائم ہو گیا لیکن اصل روح تاحال فائلوں اور مسودوں میں کہیں بھٹک رہی ہے۔ صوبائی دارالحکومت کے سوا کسی ضلع میں واچ اینڈ وارڈ کو علیحدہ نہیں کیا جا سکا۔ سسٹم کی خامیوں کو بحال رکھتے ہوئے لیپا پوتی کو اصلاحات سے منسوب کرنے کی مارکیٹنگ بھی خوب ہو چکی ہے۔ افسران کے دفتروں کی بیش قیمت تزئین و آرائش سے لے کر تھانوں کے بیرونی حصے شیش محل بنانے کے علاوہ آپریشنل وِنگ کے خوب بھاؤ بڑھائے گئے، تھانوں کی سجاوٹ کس کو کس بھاؤ پڑی یہ ہوشربا کہانی پھر سہی۔ 2025ء کو 2024ء کے مقابلے میں بہتر اور حوصلہ افزا قرار دیا جا رہا ہے، اس کی تصدیق اعداد و شمار بھی کرتے ہیں۔ معمولی چوری چکاری سے لے کر سنگین جرائم تک رجسٹرڈ کیسز کا گراف کم ہوا ہے۔ پنجاب بھر میں 2025ء میں 11 لاکھ 24 ہزار 663 مقدمات رجسٹرڈ ہوئے، جو تعداد میں 2024ء کے مقابلے میں 1.6 فیصد (18002 کیس) کم ہیں۔

اسی طرح لاہور میں بھی جرائم بالخصوص سنگین جرائم میں کمی یقیناً خوش آئند ہے لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ حکمرانوں اور اعلیٰ افسران نے ادارے کے ظاہری چہرے کو ہی اصل چہرہ تصور کر رکھا ہے جبکہ وہ شعبہ یکسر نظر انداز چلا آ رہا ہے جس کا کام مقدمہ درج ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اربوں روپیہ دفاتر اور تھانوں کو دیدہ زیب دکھانے کیلئے تو خرچ کر ڈالے لیکن تفتیش کا معیار بدستور اس بوسیدہ نظام کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے، ناقص تفتیش سے انصاف کی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے۔ بنیادی سہولیات سے لے کر ٹرانسپورٹ اور دیگر وسائل سے محروم تفتیشی عملے کے پاس واحد آپشن کرپشن ہے، جہاں سسٹم انصاف فراہم کرنے والوں کو کرپشن پر مجبور رکھے وہاں انصاف اور دادرسی کیسے ممکن ہے؟ خوشنما تھانوں کے عقبی اور بالائی تاریک حصوں میں کام کرنے والا تفتیشی وِنگ جن حالات اور وسائل سے دوچار ہے، اس کے نقطے ملائیں تو کرتا دھرتاؤں کے مائنڈ سیٹ اور دوہرے معیار کا خاکہ واضح ہو جاتا ہے۔

سینٹرل پولیس آفس پنجاب نے تفتیشی اخراجات کا ٹیرف کچھ یوں طے کر رکھا ہے کہ قتل کی تفتیش 30 ہزار روپے، اقدامِ قتل 15 ہزار، لڑائی جھگڑا 2500، ڈکیتی 20 ہزار، چوری 2500، گاڑی/موٹر سائیکل چھیننا 7500، گاڑی/موٹر سائیکل چوری 5000، اغوا برائے تاوان 25 ہزار، دنگا فساد 7500، اسلحہ آرڈیننس 2500، منشیات 10 ہزار، دیگر مخصوص قوانین 2500، متفرق کیسز PPC 2500۔ تفتیشی افسران اخراجات کا کلیم تفتیش کی تکمیل اور عدالت میں چالان جمع کرانے کے بعد ہی کر سکتا ہے جبکہ موقع واردات کے نقشے سے لے کر پوسٹ مارٹم، فرانزک لیب، ٹرانسپورٹ اور عدالتی چکروں کے علاوہ دستاویزات کی تکمیل تک سبھی مراحل پر اُٹھنے والے اخراجات کیسے پورے ہوں گے، اس ضمن میں سرکاری مراسلہ بھی خاموش ہے جبکہ دیگر وارداتوں میں ملزم کی گرفتاری اور نشاندہی پر مزید گرفتاریوں کیلئے مقامی اور بین الاضلاعی سفر کیلئے بھی ٹرانسپورٹ کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ جیسے تیسے تفتیش مکمل کر لی تو عدالت میں چالان جمع کرانے کے بھی نرخ طے ہیں۔ بصورتِ دیگر پراسیکیوشن کا عملہ چالان تفتیشی کے گلے کا مستقل ہار بنا ڈالتا ہے۔ قتل کا چالان 15 ہزار سے 70 ہزار روپے تک، ڈکیتی کا 3000 سے 5000، بجلی چوری 1000 سے 5000، نارکوٹکس 3000 سے 10 ہزار، فنانشل کرائم 3000 سے 10 ہزار، ڈسچارج مقدمہ 500 سے 10 ہزار حتیٰ کہ اَن ٹریس کیسز میں بھی 300 سے 500 روپے دیے بغیر چالان جمع کرانا ممکن نہیں۔ بالخصوص ہر تین ماہ بعد کریمنل جسٹس کمیٹی کی میٹنگ سے پہلے افسران کا دباؤ ہوتا ہے کہ زیر التوا چالان ہر صورت جمع کروائیں، جس کیلئے اتوار کو بھی سروس فراہم کی جاتی ہے۔ ہر تین ماہ بعد تھوک کے بھاؤ جمع ہونے والے چالان کھڑکی توڑ سیزن سے ہرگز کم نہیں ہوتے۔ پنجاب بھر سے 2024ء کے 11 لاکھ 42 ہزار 665 مقدمات کے چالان جمع کروانے کی اوسط رقم اگر 10 ہزار بھی تصور کریں تو بات اربوں تک جا پہنچتی ہے اور اوسط رقم سے نکل کر اگر باقاعدہ حساب کیا جائے تو اس رقم کا حجم کھربوں روپے کو چھو جائے گا۔ تفتیشی مراحل کے اخراجات ایک طرف، پراسیکیوشن کے طے شدہ نرخ دوسری طرف، ان سبھی کو پورا کرنے کیلئے بلی کا بکرا مدعی بنے یا ملزم یا حصہ بقدرِ جثہ دونوں، تفتیشی کو کیونکر قصوروار کہا جا سکتا ہے جبکہ تفتیشی کی تبدیلی کی صورت میں نئے تفتیشی کو اخراجات کی مد میں کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ کئی ماہ و سال بعد بھی تفتیشی کو شہادت کیلئے دور دراز شہروں میں بھی طلب کر لیا جائے تو اس کا خرچہ اسی کی جیب پر ہوتا ہے۔ انصاف اور دادرسی کا دارومدار ہی جب تفتیش پر ہے تو محکمہ ناقص تفتیشی نظام کو سینے سے کیوں لگائے ہوئے ہے۔ ذرا سوچیے!

صرف لاہور ہی کو لے لیجئے، 2024ء میں 3 لاکھ 3257 مقدمات درج ہوئے جن کے اوسط تفتیشی اخراجات کم از کم 10 ہزار روپے بھی ہوں تو تین ارب تین کروڑ 25 لاکھ 70 ہزار روپے بنتے ہیں۔ یاد رہے!

یہ رقم سرکاری ٹیرف کے مطابق اوسط رقم سے کہیں زیادہ بنتی ہے جبکہ اس واجب الادا رقم کا چند فیصد بھی تفتیشی عملے کو نہیں ملا۔ ایسے میں لاء اینڈ آرڈر کو لے کر خوش کن اعداد و شمار‘ دلفریب نمائشی اقدامات اور خوشنما دفاتر اور شیش محل تھانوں سے ذاتی مدح سرائی تو کی جا سکتی ہے لیکن دادرسی اور انصاف ہرگز ممکن نہیں۔ ایسے حالات میں مدعی ہو یا ملزم دونوں تفتیشی کیلئے اسامی ہوتے ہیں اور جو بڑی اسامی ثابت ہو جائے‘ تفتیشی کو وزن اسی کے پلڑے ڈالنا پڑتا ہے۔ جب نظامِ انصاف اربوں‘ کھربوں کی اکانومی میں جکڑا ہوا ہو تو اسے آزاد کون کرائے گا۔ اگر غیر حقیقی لیکن طے شدہ تفتیشی اخراجات بھی فیلڈ سٹاف کو نہ ملیں تو ان خطیر رقوم پر کوئی تو موجیں مار رہا ہو گا۔

چلتے چلتے یہ بھی باور کراتا چلوں کہ بڑے شہروں میں فی تفتیشی 200 سے 300 کیسز کی تفتیش کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہے۔ تہواروں‘ جلسے جلوسوں سمیت دیگر انتظامی ڈیوٹیوں کے بعد سال بھر کے اوسط کاروباری دن نکالیں تو یومیہ ایک تفتیش سے زائد کیس بنتے ہیں جو اہلیت اور قابلیت کے باوجود انسانی اوقات و بساط سے باہر ہے۔ ایسے میں عوام کا رونا دھونا اور ماتم ان سبھی کی اکانومی ہو تو ایسی اکانومی زندہ باد!

نئے صوبوں کی تحریک‘ امید کی کرن

افتخار احمد سندھو

پاکستان میں رائج فرسودہ سیاسی اور حکومتی نظام کے مہروں نے ملکی وسائل کی بے دریغ لوٹ مار کے سوا پاکستان اور اس کے بے چارے عوام کو کچھ نہیں دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نظام کے سٹیک ہولڈرز میں شامل طبقات اپنا حصہ بقدرِ جثہ وصول کرنے کیلئے ایک دوسرے کی مقدور بھر معاونت اور ہر ممکن طریقے سے سہولت کاری کر رہے ہیں۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کا خاص خیال رکھتے ہیں اور اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ یہ لوگ اپنے مفادات پر کسی قسم کی ذرہ برابر زد پہنچنے نہیں دیتے۔ رومی سلطنت کے زوال کے بعد مؤرخین نے اس بات پر توجہ دی کہ وہ کون سی وجوہ تھیں کہ جن کے باعث رومی سلطنت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی۔ اس موضوع پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اہم وجہ سیاست کا غیر مستحکم ہونا تھا۔ جب ریاست کی عملداری کمزور ہوئی تو اس کے ساتھ ہی سماجی اور معاشی بحرانوں کی ابتدا ہوئی‘ جس نے انتشار کو جنم دیا‘ جس نے سلطنت کو غیر محفوظ کر دیا۔ مورخ Edward Gibbon نے رومی سلطنت کے کھنڈر دیکھ کر اس کی کھوئی ہوئی عظمت سے متاثر ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس کے زوال کی تاریخ لکھے۔ یہاں خاص بات یہ کہ اس نے رومی سلطنت کے عروج کو نظرانداز کیا اور ان وجوہ کی نشاندہی کی کہ جو اس کے زوال کا باعث ہوئیں‘ جیسے فوج کا سیاست میں آنا اور اپنی مرضی کے حکمران منتخب کرنا‘ رومی شہنشاہوں کا یکے بعد دیگرے قتل ہونا‘ غلاموں اور ان کے بچوں پر طرح طرح کے مظالم۔ ان کو اکھاڑوں میں لڑایا جاتا اور تیروں سے نشانہ بنایا جاتا تھا۔ اور یہ لوگ کھیل کھیل میں ان کو جان سے مار دیتے تھے۔ اور لوگوں کو منع کیا گیا تھا کہ وہ اس ظلم پر آواز نہ اٹھائیں۔

ہفتہ عشرہ قبل ایک بارسوخ شخصیت کے نوعمر بیٹے نے اسلام آباد میں گاڑی تلے روند کر دو بچیوں کو قتل کر دیا مگر دو‘ ایک روز میں وفاقی دارالحکومت کی عدالت نے مقتولین اور ملزم کے مابین صلح ہونے پر نوعمر ملزم کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر بنا ہوا ایک ملک ہے‘ مگر یہ نظریہ اب بگڑ کر خادم اور مخدوم میں تبدیل ہو گیا ہے۔ مخدوموں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں خادموں کے ساتھ سلوک روا رکھیں۔ جب مخدوموں کے بچے کھیلنے کیلئے نکلتے ہیں تو تم ان پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہو‘ بھئی وہ پیدا ہی اس لیے ہوئے ہیں۔ کسی کی گاڑی تلے دو بچیاں آ گئی ہیں تو کیا ہوا۔ مخدوم بظاہر لوگوں کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ جن خادموں کی بچیاں قتل ہوئی ہیں‘ علاقہ معززین کی مداخلت پر انہوں نے مخدوموں کو معاف کر دیا ہے‘ لیکن حقیقت میں مخدوموں نے خادموں کو معاف کیا ہے کیونکہ اگر وہ مقدمہ واپس نہ لیتے تو مخدوم ان کی پورے خاندان کے ساتھ جو کر سکتے تھے وہ دنیا نے دیکھنا تھا۔ اور یہ خادموں کو خوب اچھی طرح معلوم ہے۔ مختلف طریقوں سے مخدوموں کو بچایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے علما فتویٰ دینے کیلئے پیشگی تیار بیٹھے ہوتے ہیں اور کروڑ دو کروڑ دیت کی رقم ادا کر کے خادموں کو خاموش کرا دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے ان طبقات اور ان کی سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا ملک اور صوبوں کے وسائل پر قیام پاکستان سے لے آج تک وراثتی قبضہ چلا آ رہا ہے۔ ان لوگوں اور جماعتوں نے آپس میں صوبے تقسیم کر رکھے ہیں‘ لیکن عوامی فلاح و بہبود کیلئے اپنی جاگیر صوبے کو مزید صوبوں میں تقسیم کرنے کیلئے کسی صورت آمادہ اور تیار نہیں‘ اور اگر کوئی اس طرح کا مطالبہ کرے تو گویا صوبے کے ساتھ وفاق کا وجود بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

پاکستان کی بہت بڑی بیماریوں میں سے ایک بڑی بیماری نئے صوبوں کا نہ بننا ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ نئے صوبوں کے قیام سے ملک کے تمام مسائل حل نہیں ہوں گے‘ البتہ ایک بہت بڑی بیماری ضرور دور ہو جائے گی۔ ملک و قوم کے حوالے سے ایک خدا ترس آدمی چیئرمین دنیا میڈیا گروپ میاں عامر محمود نے جب نئے صوبوں کے قیام کے حوالے سے کراچی میں بات کی تو پیپلز پارٹی کے جو پروردہ ہیں‘ انہوں نے ادھر اُدھر کے بہت سے اعتراضات اٹھائے‘ لیکن نئے صوبوں کے قیام پر کوئی خاص اعتراض اٹھانے سے یکسر قاصر رہے۔ وہ ایک ہی راگ الاپتے رہے کہ سندھ سندھ سندھ‘ لیکن آپ جا کر سندھ کی حالت دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ جب ان کا اپنا دردِ دل رکھنے والا کوئی آدمی ان کے مفاد کے خلاف بات کرتا ہے تو یہ کس طرح اس کے اوپر اپنے بندوں کو چھوڑتے ہیں۔

میاں عامر محمود کی بات صد فیصد درست ہے کہ آج لگ بھگ 25 کروڑ آبادی‘ بڑھتی ہوئی شہری ضروریات‘ وسائل پر دباؤ‘ انتظامی اور علاقائی احساسِ محرومی نے اس ملک کو

ایک نئے انتظامی ڈھانچے کی ضرورت پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے کا وقت آ گیا ہے کہ چار صوبوں والا نظام اب ناکام ہو چکا' لہٰذا مضبوط وفاق' متوازن ترقی اور مؤثر حکمرانی کیلئے پاکستان کو زیادہ سے زیادہ صوبوں میں تقسیم کرنا گزیر ہو چکا ہے۔ موجودہ صوبے اتنے بڑے ہو چکے ہیں کہ ان کا نظم ونسق برقرار رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف ایک صوبہ پنجاب ملک کی نصف آبادی پر مشتمل ہے۔ لاہور سے راجن پور تک کا فاصلہ تقریباً چھ سو کلومیٹر کا ہے۔ اگر جنوبی پنجاب کو الگ صوبہ بنایا جائے تو عوامی مسائل مقامی سطح پر حل ہوں گے' اسی طرح خیبر پختونخوا میں ہزارہ اور فاٹا کے علاقے اپنی انتظامی پہچان کے منتظر ہیں' چھوٹے صوبے بننے سے حکومتی فیصلے تیز' شفاف اور نتیجہ خیز ہوں گے۔

میں ایک لمبے عرصے سے پاکستان کے نظامِ سیاست وجمہوریت کا شدید ناقد رہا ہوں اور مزید صوبوں کے قیام کے ساتھ اقتدار اور اختیار کی نچلی سطح تک منتقلی کا حامی ہوں کیونکہ میں ایک عرصے تک بلدیاتی سسٹم کا حصہ رہا ہوں۔ میں لاہور کی ضلعی حکومت میں میاں عامر محمود کے ساتھ لاہور کی ریونیو کمیٹی کا چیئرمین بھی رہا' اور اس نظام حکومت کی افادیت کو بدرجہ اتم سمجھتا ہوں۔ دوبار بطور ناظم اعلیٰ لاہور میاں عامر محمود کے آٹھ سالہ بلدیاتی دور میں شہر لاہور میں جتنی تعمیر وترقی ہوئی وہ باقی ستر سالوں میں نہیں ہوئی۔ اتنے فنڈز کسی وزیر اعلیٰ نے لاہور پر خرچ نہیں کیے ہوں گے جتنے میاں عامر محمود کے سنہری دورِ حکومت میں اہلِ لاہور پر نچھاور کیے گئے۔ یہ فنڈز ضلعی حکومت کے پاس عوام کی امانت تھے اس لیے ان پر خرچ کر دیے گئے۔

پاکستان کی تعمیر وترقی کیلئے میاں عامر محمود ایک عرصے سے نئے صوبوں کے قیام کی تحریک کو لے کر ہر صوبے میں جا رہے ہیں اور صوبوں کے وسائل پر ایک مدت سے قابض اشرافیہ بلکہ قبضہ مافیا کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ اللہ پاک ان کو استقامت دے اور اس نیک مقصد میں کامیاب کرے۔ وہ پاکستان اور صوبوں کی تعمیر وترقی کی تحریک آگے بڑھا رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے زیر قبضہ صوبہ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے میاں عامر محمود نے یہ انکشاف بلکہ دعویٰ کیا کہ اہلِ کراچی کے اندر اتنا جذبہ ہے کہ اگر کراچی صوبہ بن جاتا ہے اور اس کو اچھی حکومت مل جاتی ہے تو یہ دبئی سے آگے نکل سکتا ہے۔ اور زیادہ صوبوں کے قیام سے ہی ملکی ترقی ممکن ہے۔ میاں عامر محمود کا کہنا تھا کہ عوام کی فلاح وبہبود ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے' قوم قرضوں کے بوجھ تلے دب چکی ہے اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا' جب تک لوکل گورنمنٹ مضبوط نہیں ہوتی تب تک ترقی خواب ہی رہے گی۔ پاکستان میں زیادہ صوبے ہی ترقی کی راہ دکھانے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

یہ کہہ رہی ہے اشاروں میں گردشِ گردوں — کہ جلد ہم کوئی سخت انقلاب دیکھیں گے

دو نظام' دو رویے

رشید صافی

نیویارک کے نومنتخب میئر زہران ممدانی' جو اپنی منفرد شناخت اور ترقی پسند نظریات کے باعث عالمی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں' جب قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر اپنے عہدے کا حلف اٹھا رہے تھے تو وہ صرف ایک فرد کی کامیابی نہیں بلکہ ایک فعال اور مضبوط بلدیاتی نظام کی فتح کی عکاسی کر رہے تھے۔ زہران ممدانی کا نیویارک کے 112 ویں میئر کے طور پر انتخاب اس بات کی گواہی ہے کہ وہاں کا نظام فرد کی شناخت سے زیادہ اس کی کارکردگی اور عوامی خدمت کے جذبے کو اہمیت دیتا ہے۔ ممدانی نے اپنی انتخابی مہم میں کھل کر اپنی شناخت کا دفاع کیا اور سابق صدر ٹرمپ کی پالیسیوں پر کڑی تنقید کے باوجود عوام کی بھرپور حمایت حاصل کی۔ یہ اس سیاسی بلوغت کا ثبوت ہے جو صرف ایک مستحکم جمہوری ڈھانچے میں ہی ممکن ہے۔ نیویارک کی صدیوں پر محیط بلدیاتی تاریخ میں انتخابات کبھی سیاسی مصلحتوں کی نذر نہیں ہوئے۔ امریکی نظامِ انتخاب میں بلدیاتی انتخابات کی تاریخیں پہلے سے طے شدہ ہوتی ہیں اور وہاں کا قانون کسی بھی حکومت یا عہدیدار کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اپنی مرضی سے الیکشن ملتوی کرے۔ نیویارک کی تاریخ میں صرف ایک بار ایسا ہوا تھا۔ نائن الیون کو جب نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سینٹرز پر حملہ ہوا' اسی روز نیویارک کے میئر کے انتخاب کیلئے پارٹی کے اندرونی انتخاب ہو رہے تھے۔ حملے کے وقت پولنگ جاری تھی لیکن ہنگامی صورتحال اور جانی نقصان کے باعث گورنر نے ووٹنگ چند گھنٹوں بعد روک دی۔ اتنے بڑے حادثے کے باوجود ان انتخابات کو منسوخ کرنے کے بجائے صرف دو ہفتوں کیلئے ری شیڈول کیا گیا۔ یہ واقعہ مغربی نظام میں جمہوری تسلسل اور قانونی بالادستی کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں وفاقی کابینہ نے بلدیاتی انتخابات کو ایک بار پھر ملتوی کر دیا ہے۔ یہ دو تصویریں دنیا کے دو مختلف سیاسی رویوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ ایک وہ جہاں اقتدار کی بنیادیں عوام کے درمیان پیوست ہیں اور دوسرا وہ جہاں اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے لوگ عام آدمی کو بااختیار بنانے سے خائف نظر آتے ہیں۔

مغربی ممالک کی بے مثال ترقی کا راز صرف انکی جدید ٹیکنالوجی یا بڑی معیشت میں نہیں بلکہ انکے نچلی سطح کے مضبوط انتظامی ڈھانچے میں پنہاں ہے۔ امریکہ' برطانیہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بلدیاتی انتخابات کا انعقاد ایک اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے جسے کسی سیاسی مصلحت' حلقہ بندیوں کی تبدیلی یا حکومتی تبدیلی کے بہانے ملتوی نہیں کیا جاتا۔ وہاں میئر کا عہدہ محض علامتی نہیں ہوتا بلکہ وہ شہر کا سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے جس کے پاس بجٹ' پولیس' ٹرانسپورٹ' تعلیم اور صحت کے مکمل اختیارات ہوتے ہیں۔ وہاں کے عوام بھی جانتے ہیں کہ انکی گلی کی صفائی سے لے کر شہر کی سکیورٹی تک کے مسائل کا حل وائٹ ہاؤس میں نہیں بلکہ سٹی ہال میں بیٹھے نمائندے کے پاس ہے۔ مغربی ممالک کی ترقی کی اصل وجہ یہی بلدیاتی نظام

ہے' جہاں ترقیاتی کام سیاسی نعروں کے بجائے ضرورت کی بنیاد پر اپنے وقت پر انجام پاتے ہیں۔

پاکستان میں بلدیاتی نظام کی تاریخ انتہائی تلخ اور تضادات سے بھرپور رہی ہے۔ یہاں آمرانہ ادوار میں تو بلدیاتی نظام کو کسی حد تک فعال کیا گیا' لیکن جمہوری حکومتوں کے دور میں اسے ہمیشہ پس پشت ڈالا گیا۔ اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات کا بار بار التوا محض ایک انتظامی معاملہ نہیں بلکہ نرم سے نرم الفاظ میں اسے سیاسی مصلحت کہا جا سکتا ہے۔ الیکشن کمیشن نے اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات کیلئے 15 فروری کی تاریخ مقرر کی تھی لیکن وفاقی کابینہ نے یہ انتخابات مؤخر کر دیے ہیں۔ قبل ازیں 2022ء میں الیکشن کمیشن نے اسلام آباد میں 31 دسمبر کو ہونے والے بلدیاتی انتخابات ملتوی کرنے اور یونین کونسلز بڑھانے کی حکومتی استدعا منظور کر لی تھی لیکن گزشتہ تین برسوں میں اس حوالے سے کوئی عملی کام نہیں ہوا۔ اب جبکہ الیکشن کمیشن نے اسلام آباد کے بلدیاتی انتخابات کا شیڈول جاری کر دیا تھا تو وفاقی حکومت نے لوکل گورنمنٹ ترمیمی آرڈیننس کے اجرا کا فیصلہ کیا ہے اور ترمیمی آرڈیننس کی سمری صدرِ مملکت کو بھجوادی ہے۔ صدر مملکت کے دستخط کے بعد باضابطہ آرڈیننس جاری کر دیا جائے گا۔ مجوزہ آرڈیننس کے مطابق اسلام آباد میں بلدیاتی انتخابات کیلئے پنجاب کا ماڈل اپنایا جائے گا۔ 2022ء سے اب تک مسلسل لیت ولعل سے کام لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ منتخب حکومتیں دانستہ طور پر ان پیچیدگیوں کو ختم نہیں کرتیں' یہاں تک کہ ان کا اپنا دورِ اقتدار ختم ہو جاتا ہے مگر عوام کو اپنا مقامی نمائندہ چننے کا حق نہیں مل پاتا۔ موجودہ حکومت کو دو برس ہونے والے ہیں لیکن اس دوران بلدیاتی انتخابات کی طرف کوئی سنجیدہ توجہ نہیں دی گئی۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جمہوری حکومتیں بلدیاتی نمائندوں کو اختیارات دینے سے کیوں کتراتی ہیں' تو اس کی بنیادی وجہ اختیارات اور فنڈز کی مرکزیت ہے۔ پاکستان میں یہ روایت پختہ ہو چکی ہے جہاں قانون سازی کیلئے منتخب ہونیوالے ارکانِ قومی اسمبلی اور سینیٹرز اپنی بنیادی ذمہ داری یعنی پالیسی سازی کے بجائے گلیوں کی تعمیر اور دیگر مقامی ترقیاتی کاموں کو اپنی سیاست کا محور بنا لیتے ہیں۔ اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ خدشہ ہے کہ جب فنڈز اور انتظامی اختیارات براہِ راست بلدیاتی نمائندوں کے پاس چلے جائیں گے تو اراکینِ پارلیمان کا وہ روایتی عوامی اثر ورسوخ متاثر ہو سکتا ہے جو ان کے سیاسی تشخص اور انتخابی مہم کا بنیادی سہارا ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں تعطل کسی ایک جماعت کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر دور میں اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عمران خان کی طرف سے بھی بڑے بڑے دعوے کیے گئے کہ ملک میں ایک ایسا مثالی بلدیاتی نظام لایا جائے گا جو نچلی سطح پر انقلاب برپا کر دے گا مگر اقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہی ترجیحات بدل گئیں۔ اقتدار کی منتقلی کا یہ خوف ہی ہے جو ملک کو حقیقی ترقی سے دور رکھے ہوئے ہے حالانکہ اراکینِ پارلیمنٹ کی اولین ذمہ داری صرف قانون سازی اور قومی مفاد میں پالیسیاں بنانا ہے۔ بلدیاتی اداروں کا قیام محض ایک انتظامی ڈھانچہ کھڑا کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ اس جمہوری میثاق کی تکمیل ہے جو ریاست اور شہری کے درمیان حقوق کی منصفانہ تقسیم کا وعدہ کرتا ہے۔ اس نظام کی سب سے بڑی افادیت عوامی مسائل کا فوری حل ہے۔ بلدیاتی ادارے سیاسی قیادت کیلئے نرسری کا کام کرتے ہیں۔ زہران ممدانی جیسے نوجوان اسی لیے سامنے آتے ہیں کہ انہیں نچلی سطح پر کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ معاشی طور پر یہ نظام وسائل کی منصفانہ تقسیم کا ضامن ہے' جس سے یہ شکایت ختم ہو جاتی ہے کہ شہر کے پوش علاقے تو چمک رہے ہیں لیکن مضافاتی بستیاں بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہیں۔ جب تک بلدیاتی نظام فعال نہیں ہوگا' شہری نظام متاثر رہے گا اور ترقی محض چند حلقوں تک محدود رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کی روح اعلیٰ ایوانوں تک محدود نہیں بلکہ اقتدار کے مرکز سے محروم طبقات تک منتقلی میں پوشیدہ ہے۔ بلدیاتی اداروں کا قیام کوئی آسائش نہیں بلکہ عوام کا وہ آئینی اور جمہوری حق ہے جسکے بغیر حقیقی ترقی کا خواب محض ایک سراب ہے۔ جب تک ہم اس حقیقت کو نہیں پہچان لیتے کہ ایک عام شہری کیلئے اس کے اپنے علاقے کا نمائندہ کسی دور بیٹھے وفاقی وزیر سے زیادہ اہم اور بااثر ہوتا ہے' تب تک ہم حقیقی ترقی کی منزل حاصل نہیں کر سکتے۔ ریاست کی حقیقی مضبوطی ایوانوں کی سجاوٹ میں نہیں بلکہ فعال اور بااختیار مقامی حکومتوں میں پنہاں ہے۔ جس دن ملک کا عام شہری اپنے بنیادی مسائل کیلئے اقتدار کے اعلیٰ ایوانوں کی جانب حسرت سے دیکھنے کے بجائے اپنے مقامی نمائندوں کی طرف دیکھے گا' اسی دن پاکستان میں حقیقی عوامی حاکمیت کا آغاز ہوگا۔ ہمیں آج ایسے توانا ذہنوں اور پختہ سیاسی ارادے کی ضرورت ہے جو بلدیاتی نظام کو محض ایک انتظامی ضرورت نہیں بلکہ ایک قومی فریضہ سمجھیں تاکہ ایک ایسا سیاسی کلچر جنم لے سکے جہاں عوامی خدمت کو عبادت اور جوابدہی کو سیاست کا اصل جوہر تسلیم کیا جائے۔

IN Washington, a short walk can feel like an exercise in mapping the world's anxieties. On one quiet stretch of Northwest DC, Pakistan's embassy sits just steps away from the Israeli mission — neighbours by accident of location, but poles apart by history, narrative and ideology.

Taric Khosa

A few miles away across the Potomac, in Langley, Virginia, the CIA's headquarters is a reminder of the machinations of a superpower's deep state. An hour's drive from the capital on hilly terrain, the timeless rigours of nature around the Shen-andoah valley, got me thinking about the world's most influential constitutional democracy, and how its new security document "looks like the Janus face of a fraying domestic constitutional order providing geopolitical cover for

domestic authoritarian rule and corporate aggrandizement", in the words of two former US officials.

The lesson, in fact, is simple: no society is immune when trust collapses and politics turns into a fight not over policy, but legitimacy. Pakistan has lived this saga for decades. Our tragedy is that we often debate democracy as if it were a trophy to be won, not a discipline to be practised. We speak of 'rule of law' while rewarding selective accountability.

We invoke constitutionalism while resorting to distorting it. We offer dialogue without first restoring dignity, then wonder why no one trusts the offer. At the heart of this dysfunction is this question: are we governed by law or by rulers who use the law as an instrument? Under the rule of law, the state restrains itself; under the law of the ruler, the state restrains the citizen.

Pakistan does not require yet another rhetorical recommitment to democracy. It needs a practical covenant — minimum commitments that bind winners and protect losers; that restrain state institutions and restore consent as the only durable foundation of governance. I therefore propose the following charter of democracy and good governance:

1. Sovereignty of the people. All authority flows from citizens. Government legitimacy depends on credible elections, not sham outcomes. A state cannot be stable if large segments believe the ballot has been managed rather than respected.
2. The Constitution is a covenant, not a weapon. Constitutional reform must be rooted in broad consent and transparent reasoning. When constitutions are altered as exercises in partisan engineering, the federation becomes a permanent battleground. No society is immune when politics turns into a fight not over policy, but legitimacy.
3. A code of restraint for political actors. In polarised societies, leaders either cool the temperature or burn the house down. Political parties must renounce violence, discipline inflammatory rhetoric, accept peaceful alternation, and stop treating opponents as enemies.
4. Parliament must reclaim its role. Democracy cannot survive as a series of arbitrary executive orders. Parliamentary committees must scrutinise budgets of all institutions, including the establishment and intelligence agencies.
5. Dialogue must be real, not political theatre. It must lead to the genuine de-escalation of conflict, an agreed agenda, time-bound deliverables, and public clarity on what has been agreed. Dialogue offered under duress merely becomes propaganda, not reconciliation.
6. Due process has the state's moral signature. A state is judged by how independently and fairly it administers justice. Investigation, arrest, prosecution and trial must be lawful, reviewable and reasoned. The appearance of justice matters because it produces the one thing the state cannot manufacture: trust.
7. The breach of civil liberties must be avoided. Speech, association, assembly and free press are not luxuries; they are feedback mechanisms. When the state narrows these spaces, it loses reality testing and begins to mistake silence for consent. Global democratic backsliding shows how easily 'stability' becomes an excuse for repression.
8. Depoliticise the police. A politicised police force becomes the sharp edge of an authoritarian drift. Merit-based postings, independent complaints mechanisms, lawful crowd management, and insulation from partisan instruction should be non-negotiable in a constitutional state.
9. Accountability must be even-handed. Selec-tive accountability is a political weapon; genuine accountability reflects a sound governance system. Anti-corruption must have clear thresholds, transparent prosecutorial processes, and protections against vendetta — otherwise it becomes a cycle of retaliation.
10. Follow the money. Organised crime, illicit finance and elite capture hollow out democracies from within. A serious state builds financial intelligence, asset tracing, inter-agency coordination, and visible disruption of high-value criminal networks.
11. The economy must be improved. Public procurement, tax fairness, regulation, and SOE refo--rm must be transparent and competence-driven.
12. Local government is democracy's foundation. When citizens cannot solve problems locally — water, sanitation, schooling, health, policing — they lose faith in the system. Empowered,

elected LGs with fiscal authority are not administrative decorations; they are the bedrock of legitimacy.

13. Maintaining the civil-military balance. In stable democracies, national security institutions operate under constitutional direction and civilian oversight. When lines blur, politics becomes securitised and security becomes politicised — and citizens pay the price.

14. Measure what you promise and deliver. A charter without an implementation mechanism is hollow. An independent parliamentary commission should publish an annual state of democracy and governance scorecard — tracking election integrity markers, case backlogs, police complaints and outcomes, press freedom infringements, LG performance, and financial crimes disruption — and debate it in parliament.

The above charter contains the minimum rules necessary to prevent the strong from rewriting the system whenever power changes hands. The choice is stark. We can continue to treat the law as a tool to discipline rivals and reward allies or ad--o-pt the rule of law as a means of restraining errant governments, institutions, and political actors.

A state is strongest when citizens trust it, and do not fear it. Trust is created when the law applies equally, when institutions behave predictably, and when power accepts limits. This is the difference between the rule of law and the law of the ruler.The writer is a former inspector-general of police.

Prison reform in action

Danish Ahmed Soomro
Tuesday, Jan 28, 2025

For over a century, Pakistan's prison system operated under the antiquated Prisons Act of 1894, a colonial relic designed to subjugate rather than rehabilitate.

This draconian framework treated inmates as liabilities to be restrained, rather than individuals capable of redemption. Discipline and deterrence were prioritised over reform, leading to prison conditions characterised by overcrowding, inhumane treatment, and systemic neglect. Vulnerable groups – women, juveniles, and those with mental health conditions – were especially marginalised, their needs neglected, and their voices ignored.

In a groundbreaking departure from this punitive legacy, the Sindh Prison Rules 2019, promulgated under the Sindh Prisons & Corrections Service Act 2019, represent a transformative shift toward rehabilitation, reintegration, and human dignity. Inspired by international human rights frameworks and informed by modern correctional practices, these rules reimagine prisons as institutions of reform rather than mere confinement, offering a beacon of hope for a more just and equitable society.

This monumental transformation owes its success to the vision and tireless dedication of individuals and institutions committed to justice and reform. At the forefront of this movement is Justice Nasir Aslam Zahid, former judge of the Supreme Court of Pakistan and founder of the Committee for the Welfare of Prisoners (CWP). His decades-long advocacy for prison reform ensured that the new rules were firmly grounded in the principles of human rights and aligned with international best practices.

The CWP, in collaboration with the Sindh Judicial Academy, the Sindh Prisons and Correction Service, and key stakeholders played an instrumental role in drafting and implementing these forward-thinking reforms. Their collective efforts mark a significant milestone in reshaping Pakistan's correctional philosophy.

The colonial-era Prisons Act of 1894 entrenched a retributive justice system that perpetuated harsh and dehumanising conditions. Overcrowding became endemic, with prisons routinely housing inmates at double their intended capacity. Basic necessities such as medical care, sanitation, and adequate food were treated as luxuries rather than rights. Juveniles often housed alongside hardened criminals, exposing them to exploitation and abuse, while women prisoners faced an acute lack of maternal care, childcare facilities, and recognition of cultural or religious practices. The arbitrary granting of remissions – often used as a tool of administrative patronage – further eroded the system's credibility.

The Sindh Prison Rules 2019 dismantle this punitive legacy by placing rehabilitation and

reintegration at the heart of prison governance. The rules prioritise vocational training, psychological support, and educational initiatives to prepare inmates for a meaningful return to society. Programmes now include vocational training in skills such as carpentry, sewing, and digital literacy, alongside tailored mental health interventions. For juveniles, sports initiatives like football training camps foster teamwork, discipline, and hope.

Women's prisons have been transformed into supportive environments with early learning centres for children, sensory gardens to nurture emotional well-being, and dedicated maternal healthcare services. Healthcare has become a cornerstone of these reforms, with regular medical check-ups, menstrual hygiene education, and trauma counselling addressing the physical and mental well-being of inmates.

The Committee for the Welfare of Prisoners (CWP), a nonprofit organisation established in 2004 under the chairpersonship of Justice Nasir Aslam Zahid, has been a driving force behind these reforms. Initially focused on providing legal aid to women and juveniles, the CWP expanded its mandate to include male inmates in 2011, operating across 24 prisons in Sindh. Through its initiatives, the CWP has brought tangible improvements to the lives of incarcerated individuals. Key programmes include Early Learning Centers in women's prisons, where children of incarcerated mothers receive education and care, and Sewing Centers, which empower inmates to earn livelihoods and support their families. Paralegal training programmes, conducted by CWP lawyers, equip inmates with the knowledge to educate fellow prisoners about their legal rights, fostering a culture of awareness and self-reliance.

A recent collaboration with philanthropist Muhammad Faisal Sami and the Legal Aid Society (LAS) has further expanded the scope of the CWP's initiatives. Digital literacy classes for women prisoners, set to commence soon, will provide critical technological skills, enhancing inmates' self-sufficiency and prospects for reintegration into society. Despite these progressive reforms, overcrowding remains a formidable challenge. Sindh's prisons currently house over 22,000 inmates in facilities designed for a maximum capacity of 13,938 – a staggering 141 per cent overcapacity. Nearly 80 per cent of these inmates are under-trial prisoners, languishing behind bars due to systemic delays in the judicial process.

Efforts to address overcrowding include streamlining judicial procedures to reduce case backlogs, implementing alternative sentencing mechanisms such as probation and community service, and constructing new facilities or expanding existing ones. Biometric systems and electronic record-keeping have been introduced to enhance transparency and efficiency, while independent oversight bodies ensure accountability through regular inspections. While significant progress has been made, much work remains. Women prisoners have reported marked improvements in living conditions and greater access to education, but these gains are fragile without sustained funding and institutional commitment. The Sindh government must allocate adequate resources to ensure the long-term viability of these reforms and their expansion across the province.

Effective implementation is critical to the success of the Sindh Prison Rules 2019. This requires training prison staff in human rights and modern correctional practices, reducing case backlogs to address the plight of under-trial prisoners, educating the public to combat the stigma faced by former inmates, and constructing additional facilities to alleviate overcrowding.

The treatment of prisoners is a profound reflection of a society's humanity. The Sindh Prison Rules 2019 challenge the archaic notion of incarceration as mere punishment, offering a vision of prisons as places of growth, learning, and transformation. These reforms underscore the belief that every individual, regardless of their past, is capable of redemption and deserves the opportunity for a second chance.

Achieving this vision requires a concerted effort from the government, civil society, and the public. By restoring dignity, rebuilding lives, and embracing a justice system rooted in compassion and rehabilitation, Sindh's prison reforms stand as a testament to the power of hope and the enduring possibility of transformation.

London Office:
36 Southend Crecent, Eltham, London
SE9 2SB Mobile: (0044) 786 7786 562
E-mail: naseemahmedbajwa36@gmail.com

Lahore Office:
آفس نمبر 2، سیکنڈ فلور، برکی شاپنگ سنٹر، (بالمقابل سن فورٹ ہوٹل) گلبرگ تھری، لاہور۔
Ph: 042-35755931 موبائل: 0307-4539077
E-mail:bajwaandcolhre@aol.com